حدود آرڈی نینس اور اس میں ترامیم

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عرصۂ دراز سے ''حدود آرڈیننس'' میڈیا پر زیر بحث ہے اور اس کے خلاف ہر طرف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہے۔ ہر قسم کے تجزیوں اور تبصروں سے ذرائع ابلاغ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اخبارات، ریڈیو اور مختلف ٹی وی چینلز کے ذریعے ہر کس و ناکس ان قوانین پر رائے زنی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ ہر ایرا غیرا اس پر تبصرہ کرنا ایک ضروری اور ناگزیر امر خیال کرتا ہے۔ گویا ''حدود'' اللہ تعالیٰ کے قوانین نہ ہوئے، بلکہ کسی مخلوق کا بنایا ہوا ''چارٹر'' ہوا جس میں من چاہی تبدیلی کی جاسکتی ہو اور جس میں مرضی کی ترمیم سے کوئی امر مانع نہ ہو۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ایسے لوگ اتنے نازک اور پیچیدہ معاملے کو کیوں تختۂ مشق بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور در پردہ ان کے کیا مقاصد ہیں۔ لیکن ایک بات جو ہمیں معلوم ہے اور اس کی سچائی کا ہمیں سو فیصد یقین بھی ہے وہ یہ کہ یہ ایجنڈا مقامی نہیں بلکہ مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ مغرب پوری دنیا میں اپنی بالادستی چاہتا ہے۔ لیکن ان کے سامنے مشکل یہ ہے کہ دنیا میں مختلف اقوام بستی ہیں جن کی اپنی اپنی تہذیب و ثقافت اور ان کا اپنا اپنا کلچر ہے۔ خصوصاً مسلمان تو مغرب سے بالکل الٹ ہے۔ ایسے میں ان پر حکمرانی کیسے کی جاسکتی ہے اور ان کا استحصال کس طرح ممکن ہے؟ اس کا انہوں نے واحد حل یہ نکالا کہ ساری دنیا کو اپنی تہذیب، روایات اور اقدار کا خوگر بنایا جائے، انہیں آسمانی قوانین پر عمل پیرا ہونے سے روک کر، اپنے خود ساختہ قوانین کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہ خود براہ راست تو سرانجام نہیں دے سکتے اس لئے اپنے مقامی دوست واحباب کا تعاون لینا پڑ رہا ہے اور یہ نادان، مسلمانوں کے بدترین دشمن کے بھیانک اور خوفناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دن رات اس ''نیک کام'' کو سرانجام دینے میں جتے ہوئے ہیں۔

حدود آرڈی نینس پر اسلامی نظریاتی کونسل نے گزشتہ دنوں اپنی عبوری رپورٹ جاری کی، جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین نے کہا کہ یہ آرڈی نینس قرآن وسنت کے منافی ہے اور اسے مکمل طور پر تبدیل کرنا

پڑے گا، اور یہ کہ اس آرڈی نینس میں حدود کی ''فقہی تعریف'' کی گئی ہے، لہٰذا اس کی قرآن وسنت کے تحت تشریح کی ضرورت ہے۔ موصوف نے یہ بات تو کہی کہ مذکورہ آرڈی نینس قرآن وسنت کے منافی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی شقیں ہیں، جو بقول ان کے کتاب وسنت سے میل نہیں کھاتیں۔ اسی طرح ان کی یہ دوسری بات بھی کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بقول ان کے حدود کی فقہی تعریف الگ ہے اور قرآن وسنت کے تحت اس کی الگ تعریف ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ موصوف کو شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ ''فقہ اس علم کا نام ہے جس میں احکام شرعیہ کو دلائل شرعیہ سے مستنبط کیا جاتا ہے'' اور دلائل شرعیہ میں قرآن وسنت بھی شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف الفاظ کی آڑ میں عام لوگوں کو کس قدر دیدہ دلیری سے گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کا حال ہے تو باقی اراکین کے کیا کہنے!!

یہ بات طے ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں نافذ ہونے والے ''حدود آرڈی نینس'' میں اسلامی قوانین کے منافی ایسی کوئی شق شامل نہیں، جو قابلِ مواخذہ ہو اور نہ ہی ایسی کوئی شق اس میں ہے جس سے کسی کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔ چنانچہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ ضرور اس کو لاگو کرنے والے نظام میں کوئی خرابی ہے۔ اس لئے ہمیں وہ وجوہات اور اسباب تلاش کرنے پڑیں گے جس کی وجہ سے اس آرڈی نینس کو مطعون ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اگر ہم انصاف کے ساتھ سارے معاملات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ساری کی ساری خرابی انگریز کی طرف سے اپنے نوآبادیاتی نظام کو کنٹرول کرنے کے لئے بنائے جانے والے فرسودہ قوانین اور ہمارے ان کو گلے سے لگائے رکھنے میں ہے۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ان خرابیوں کو ختم کیا جائے نہ کہ حدود آرڈینس کو۔

حدود آرڈی نینس پر ایک بڑا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے جو یقیناً غلط بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ کتنا لغو اور بے ہودہ اعتراض ہے۔ جو قوانین انگریزوں نے اپنے مخصوص مفادات کے لئے بنائے ہوئے تھے، ان پر عمل کرنا ہم اپنے لئے فرض عین اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو قابل گردن زنی جرم قرار دیتے ہیں۔ اس وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں جو یقیناً غلط بھی ہوسکتے ہیں، لیکن حدود آرڈی نینس جس کو انسانوں نے محض مرتب کیا ہے جب کہ حقیقت میں یہ اللہ ورسول کے قوانین ہیں، تو ہم اس کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جاتے ہیں۔

دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو میڈیا کے ذریعے ایک ایسے معاملے کو عوام کے سامنے اچھالنا جو خالص فقہی اور علمی نوعیت کا ہے، کہاں کی دانشمندی ہے؟ عوام ایسے مسائل سے صرف ناآشنا ہی نہیں، بلکہ یہ ان کی فہم سے بھی بالاتر ہوتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسے مسائل عوام کے سامنے بیان کرنا اور ان کے سامنے بحث کے لئے

پیش کرنا مناسب ہے؟ ہمارے خیال میں تو یہ قطعاً غیر مناسب اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ علاوہ ازیں آج کل پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ہر گھر میں عام اور دستیاب ہے، اس لئے اس مہم سے حجابات متاثر ہو رہے ہیں۔ زنا اور ہم جنس پرستی جیسے شنیع الفاظ چھوٹوں، بڑوں، مردوں، عورتوں اور نوجوان لڑکوں، لڑکیوں کی زبان پر عام ہو رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں دانستہ ان الفاظ اور اصطلاحات کو لوگوں میں عام کر کے ان کے دلوں میں موجود فطری نفرت اور کدورت دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ یقیناً ایک خطرناک بات ہے۔

حدود آرڈی نینس پر بحث سے اب تک بنیادی طور پر جو نقطۂ نظر یا آراء سامنے آئی ہیں، وہ تین طرح کی ہیں۔ پہلا یہ کہ اس آرڈیننس کو بالکل سرے سے منسوخ کر دیا جائے۔ دوسرا نقطۂ نظر اس بارے میں یہ ہے کہ اس کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور اس میں بالکل ترمیم سے گریز کیا جائے، تیسرا یہ کہ بنیادی طور پر حدود آرڈیننس کو تو نہ چھیڑا جائے البتہ اس کے نفاذ، طریقۂ کار اور نظام میں ترمیم و تبدیلی لائی جائے۔ جہاں تک پہلے نقطۂ نظر کا تعلق ہے کہ اس کو بالکل منسوخ کیا جائے تو ہمیں اس سے کسی بھی طرح اتفاق نہیں اور نہ ہی ان کا یہ نقطۂ نظر انصاف پر مبنی ہے کیونکہ کسی قانون کو لاگو کرنے والے نظام میں اگر کوئی خرابی ہو تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوتا کہ اس قانون کو ہی اکھاڑ پھینک دیا جائے۔ بلکہ طریقۂ کار، نظام اور عدالتی نظام میں تبدیلی لا کر اس کو قابل عمل بنایا جانا چاہیے، اور یہی مسلمہ اصول بھی ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر کہ اس میں بالکل ترمیم و تبدیلی نہ کی جائے یہ اس تناظر میں ہے کہ یہ سب کچھ کسی اصلاح یا نیک نیتی سے نہیں کیا جارہا، بلکہ مغربی طاقتوں کے دباؤ اور ان کے اشاروں پر کیا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا موقف بھی برحق ہے کیونکہ بات صرف ترمیم پر رک نہیں جائے گی، بلکہ کل کلاں یہ زنا بالرضا اور ہم جنس پرستی جیسے افعال قبیحہ کو درست اور جائز قرار دینے کی مذموم کوشش کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے اور اس پر ہی کیا موقوف، یہ تو محض ابتداء ہوگی۔ پھر اس کے بعد سلسلہ چل نکلے گا۔

اس سلسلے میں جو تیسرا نقطۂ نظر ہے اور جو بالکل متوازن اور قرین انصاف بھی ہے وہ یہ کہ آرڈی نینس کو تبدیل یا منسوخ کرنے کی بجائے، اس کو لاگو کرنے اور نافذ کرنے کے طریقۂ کار پر غور کیا جائے اور نظام میں بنیادی طور پر واضح اور دور رس نتائج کی حامل تبدیلیاں کی جائیں اور انہی قوانین کو قابل عمل بنایا جائے۔ اس سے پہلے اصولی طور پر یہ طے کرنا چاہیے کہ آیا یہ ترامیم قرآن و سنت کے مطابق ہے یا نہیں، کیوں کہ یہی ایک ضابطہ ایسا ہے کہ جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ دوسری یہ بات طے کرنی ہوگی کہ یہ ترامیم اسلامی روایات واقدار پر مبنی ہیں یا مغربی، اگر مغربی روایات پر مبنی ہے تو ظاہر ہے کہ پھر یہ کسی طور پر قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔ تیسرا یہ کہ چونکہ ان کا تعلق قرآن وحدیث سے ہے، اس لئے ان کے ماہرین یعنی جید علماء کی اکثریت سے ترامیم کی جائیں۔ ☆☆☆